© rasailojaraid.com

جناب رحیم بخش شاہین

اتحادِ اسلامی اور علامہ اقبالؒ

اسلامی تصوّر

اسلام کو دوسرے مذاہب اور ادیان پر اس لحاظ سے بھی ترجیح حاصل ہے کہ اسلام کی بنیاد پر تعمیر ہونے والا معاشرہ تمام مصنوعی اختلافات سے پاک اور جملہ تعصبات سے منزہ ہوتا ہے۔ اسلام کی نظر میں نسل، رنگ، وطن اور زبان کی حد بندیوں کی بجائے، فکری اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کو اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی معاشرے کا سنگِ بنیاد یہ ہے کہ جملہ مخلوقات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور پوری نسلِ انسانی ایک آدم کی اولاد ہونے کی بنا پر ایک وسیع برادری کی حیثیت رکھتی ہے۔ رنگ زبان، نسل، قبیلہ، خاندان وغیرہ کی تقسیم باہمی تعارف کی سہولت کی خاطر ہے۔ ان میں سے کوئی بھی امتیاز خدا کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ قرآن کہتا ہے:

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ط۔

"لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، پھر تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک معزز ترین وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہے" (الحجرات: ۱۳)

حضورؐ نبی کریم نے فرمایا: لوگو! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور بے شک تمھارا باپ ایک ہے اور ہاں! عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سفید کو سیاہ پر اور سیاہ کو سفید پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ مگر (بحز) تقویٰ کے۔"

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا "لوگو! تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

ایک طرف تو اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ تمام انسان خدا کی مخلوق، ایک ہی ماں باپ

© rasailojaraid.com

کی نسل اور مٹی سے پیدا ہونے کی بنا پر ایک وحدت کے سلسلہ میں منسلک ہیں اور عظمت کا معیار صرف یہ ہے کہ کوئی انسان کہاں تک خدا پرستی، انسانیت کی خدمت اور اعلیٰ انسانی اخلاق کا مالک ہے۔ دوسری طرف اس نے تمام مادی علائق و امتیازات پر روحانی اور ذہنی ہم آہنگی کو فوقیت دی ہے۔ اس طرح اسلام نے قوم کی تشکیل کے ان تمام عوامل کی تردید کر دی جو عہدِ جاہلیت میں کارفرما تھے اور قوم سازی کی ایک بنیاد — ایک نئی بنیاد مہیا کی۔ یعنی وہ لوگ جو ایک خدا اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفٰیؐ اور قرآن پر ایمان لاتے ہیں ایک قوم یا ملت ہیں اور اس معیار سے ہٹ کر تمام نظریوں، اصولوں اور طریقوں پر قائم ہونے والی جماعتیں اور گروہ ایک دوسری قوم قرار پاتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے مضمون "جغرافیائی حدود اور مسلمان" میں اس نظریہ کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے:

"کون نہیں جانتا کہ حضرت ابراہیم ایسے پیغمبر تھے جن کی وحی میں قوموں، نسلوں اور قبیلوں کو بالکل نظر انداز رکھا گیا۔ بنی آدم کی صرف ایک تقسیم کی گئی۔ موحد و مشرک۔ اس وقت سے گویا دو ہی ملتیں دنیا میں ہیں، تیسری کوئی ملت نہیں ہے۔[۵]"

لہٰذا امتِ مسلمہ کے مقابل میں تو صرف ایک ہی ملت ہے اور وہ "الکفر ملۃ واحدۃ"۔ امتِ مسلمہ کے تمام افراد باہم بھائی بھائی ہیں اور حضورؐ کی غلامی کا رشتہ تمام مسلمانوں کو ایک ناقابلِ شکست وحدت میں جوڑ دیتا ہے، قرآنِ حکیم کا واضح ارشاد ہے: انما المومنون اخوۃ (ترجمہ: اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (الحجرات: ۱۰) - لہٰذا ان کی بقا، استحکام اور ترقی کا انحصار اسی رشتہ وحدت سے منسلک رہنے میں مضمر ہے۔ اس اصول کی وضاحت قرآنِ حکیم میں یوں کی گئی ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔

اور سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور جُدا جُدا نہ ہو جاؤ۔ (آل عمران: ۱۰۳)

ایک حدیثِ نبوی میں ہے:

---

[۵] مقالاتِ اقبال، ص ۲۳۲ [۶] ایضاً، ص ۲۳۳

© rasailojaraid.com

"ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے دیوار (یا بنیاد) کہ ہر جزو (اینٹ) دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے۔"

ایک اور حدیث میں اہلِ ایمان کے رشتۂ اخوت و مودت کی وضاحت آپؐ نے اس طرح فرمائی:

"تو اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو ایک دوسرے سے رحم اور محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا جیسے بدن کا ایک عضو مریض ہو جائے تو سارے اعضا بخار اور درد و کرب کے ساتھ شب بیداری میں اس کے شریک ہو جاتے ہیں۔"

اسلامی اخوت اور بھائی چارے کا یہ وہ معیار ہے جو اسلام کے پیشِ نظر ہے۔ اسلام میں انسان اور انسان کو باہم جوڑنے اور مربوط کرنے والی قوت صرف عقیدہ و ضابطۂ حیات ہوتی ہے۔ جو شخص اس معیار کو قبول کر لیتا ہے وہ خواہ کسی نسل، کسی ملک، کسی رنگ، کسی زبان سے تعلق رکھتا ہو اس عالم گیر معاشرے کا فرد بن جائے گا۔ اس کو وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گی جو اس معاشرے کے دیگر افراد کو حاصل ہوں گی۔ یہ معاشرہ زمان و مکان کی تمام حدود سے آزاد ہو کر روئے زمین کے تمام خطوں کو محیط ہو سکتا ہے اور قیامت تک باقی رہ سکتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے معرکہ آرا مضمون "جغرافیائی حدود اور مسلمان" میں ملتِ اسلامیہ کے اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے، نہ نسلی ہے، نہ انفرادی، نہ پرائیویٹ بلکہ خالصتہً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالمِ بشریت کو متحد و منظم کرنا ہے۔ ایسا دستور العمل قوم اور نسل پر بنا نہیں کیا جا سکتا۔ نہ اس کو پرائیویٹ کہہ سکتے ہیں بلکہ اس کو صرف معتقدات پر ہی مبنی کیا جا سکتا ہے۔ صرف یہی ایک طریق ہے جس سے عالمِ انسانی کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے جو ایک امت کی تشکیل اور اس کی بقا کے لیے ضروری ہے۔"[۱۳]

---

۱۳ مقالاتِ اقبال، ص ۲۲۴، ۲۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کا زوال اور مغربی اثرات

جب تک مسلمانوں نے اللہ کی رسّی کو باہم متحد ہو کر مضبوطی سے تھامے رکھا، اخوت و مساوات کے روشن اصولوں کو لائحۂ عمل بنائے رکھا، اس وقت تک مسلمان دنیا بھر کی امامت، سیادت اور قیادت کے منصب پر فائز رہے لیکن وہ دَور بھی آیا جب اندرونی کمزوریوں اور بیرونی سازشوں کے نتیجے میں ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور وہ ہمہ گیر زوال کا شکار ہو گئے۔ اٹھارہویں صدی تک پہنچتے پہنچتے کاروانِ اسلام جیسے تھک چکا تھا اور دوسری طرف مغربی اقوام ترقی و عروج کی راہوں پر گامزن ہو رہی تھیں۔ انھوں نے تجارتی اغراض اور سیاسی مفادات کی تکمیل کے لیے مشرقی ممالک کا رخ کیا اور آہستہ آہستہ اکثر مشرقی ممالک ان کی استعماری گرفت میں آتے چلے گئے۔ نو آبادیاتی اور توسیعی عزائم کے نشے میں چور انگریزی، فرانسیسی اور ڈچ اقوام نے ایشیا کو خوانِ یغما تصور کر لیا۔ کچھ عرصہ ان اقوام میں بھی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش جاری رہی بالآخر انگریز سب سے بازی لے گئے۔ ۱۷۰۴ء میں جبرالٹر پر برطانوی قبضہ سے استعماری قوتوں کی خوب حوصلہ افزائی ہوئی۔ اب ان کی لالچی نظریں ترکی پر گڑی ہوئی تھیں۔ ادھر انگریزوں نے ۱۷۷۰ء میں آسٹریلیا اور ۱۷۹۵ء میں سیلون پر قبضہ کر لیا۔ نپولین بونا پارٹ نے عارضی طور پر انگریزی توسیع پذیری کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اس کی ناکامی سے انگریزوں کے حوصلے اور زیادہ بڑھ گئے۔ ۱۸۱۴ء میں مالٹا پر قبضہ کر کے انگریزوں نے بحیرۂ روم اور مصر کی سیاست پر غلبہ و تسلط حاصل کر لیا اور کچھ عرصہ بعد عدن ان کے قابو میں آ گیا جو کہ بحرِ احمر اور بحرِ ہند کا ایک انتہائی اہم جنگی مورچہ تھا۔ اس دوران میں ترکی سلطنت اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے ایک ایسے درخت کی طرح ہو چکی تھی جسے گھن نے کھا لیا ہو۔ ادھر ہندوستان میں انگریزوں نے اپنی سازشوں اور مقامی غداروں کی مدد سے اپنے پاؤں مضبوطی سے جما لیے تھے۔ دلی میں اگرچہ مغل حکومت تھی لیکن عملاً پورا ہندوستان سیاسی طوائف الملوکی کا شکار ہو کر چھوٹی چھوٹی کمزور ریاستوں میں تقسیم ہو چکا تھا اور انگریزی فوجیں بڑی تیزی اور ہوشیاری سے یکے بعد دیگرے ان علاقوں کو ہڑپ کر جانے میں مصروف تھیں۔ مسلمانوں نے مزاحمت کی لیکن جنگِ پلاسی میں نواب سراج الدولہ کی شکست نے اس مزاحمت کی کمر توڑ کر رکھ دی [illegible] قوتوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناکامی نے برائے نام مغل سلطنت کے ٹمٹماتے چراغ کو ہمیشہ کے لیے گل کر دیا اور انگریزی اقتدار کو استحکام نصیب ہوا۔

اسی طرح انیسویں صدی کے اختتام تک عالمِ اسلام اور تمام ایشیائی اور مشرقی ممالک انگریزی تاخت و تاراج کی زد میں آچکے تھے۔ پورا ایشیائی خطۂ ارض نہایت نازک دور سے گزر رہا تھا۔ سیاسی غلامی، اخلاقی زوال، مذہبی تنزل، معاشی پس ماندگی اور معاشرتی گراوٹ کی سیاہ تاریکیاں براعظم ایشیا اور خصوصاً عالمِ اسلام پر مسلط تھیں۔ مغربی اقوام نے اپنے سامراجی مفاد کی خاطر اسلامی ممالک میں جدید تصورِ قومیت کی زبردست تبلیغ کی اور مسلمانوں میں اس تصور کی مقبولیت و اشاعت کے باعث اسلامی اتحاد کو شدید نقصان پہنچا۔

دورِ جدید میں اسلامی اتحاد کے علم بردار

ان نازک حالات میں جن ہستیوں نے مسلم معاشرے کو زوال کے قعرِ مذلت سے نجات دلانے اور اسلامی اتحاد کو مستحکم بنانے کی کوشش کی ان میں سید جمال الدین افغانی، سعید حلیم پاشا اور علامہ اقبال خاص طور پر لائقِ ذکر ہیں۔

سید جمال الدین افغانی (۱۸۳۹ تا ۱۸۹۷) ایک دردمند مسلمان رہنما تھے جنھوں نے مسلمان ممالک کو انگریزوں اور دیگر طالع آزما مغربی قوتوں کے زیرِ تسلط دیکھ کر اس بات کی کوشش کی کہ مسلمان ممالک آزاد اور خود مختار ہوں۔ اس کے لیے انھوں نے جو انقلابی پروگرام تجویز کیا اس میں قرآنی تعلیمات کی اشاعت اور غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کی مذہبی اور ثقافتی سرگرمیوں کے تحفظ کے علاوہ لادینیت، مغربیت اور استعماری قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے عالمِ اسلامی کے اتحاد پر خاص طور پر زور دیا گیا تھا۔ افغانی نے ایران، ترکی اور مصر میں برسوں رہ کر وہاں کے لوگوں میں تجدیدِ دین کی لگن پیدا کی اور آزادیٔ وطن کا جذبہ بیدار کیا۔ بے شمار مزاحمتوں اور رکاوٹوں کے باوجود وہ پست ہمت نہ ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں اور ذہنی ہمسفروں نے ان کے پروگرام کی تکمیل کا کام جاری رکھا۔

سعید حلیم پاشا (۱۸۶۵ تا ۱۹۲۱) محمد علی والئی مصر کے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ "مجلس اتحاد و ترقی" کے معتمدِ اعلیٰ تھے اور ترکی کے وزیرِ خارجہ اور وزیرِ اعظم بھی رہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید حلیم پاشا کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ اسلام اعلیٰ ترین اقدارِ حیات کا علمبردار اور کامل و اکمل
نا ہے۔ عصرِ حاضر کے جملہ مسائل کا حل اسلام ہی میں مضمر ہے۔ آپ مغرب کے نظریۂ
نیت کے خلاف عرب، ترک اتحاد کے قائل ہی نہیں پرچارک بھی تھے۔

اگرچہ یہ بزرگ ہستیاں فوری طور پر اپنے عظیم مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکیں لیکن یہ حقیقت
ہے کہ ان کے دیے ہوئے نصب العین نے اندر ہی اندر ملتِ اسلامیہ کی روح کو انقلاب آشنا
نا شروع کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ جب علامہ اقبال مغرب کے نظریۂ وطنیت کے مذموم پہلوؤں
سے آگاہ ہوئے اور انھوں نے مسلمانوں کے جداگانہ تشخص، ملّی تعمیر، اسلامی اتحاد اور تحریک
ادی کو فروغ دینے کے لیے اپنی فکر اور شاعری کو ذریعہ بنایا تو یہ انقلاب ایک خاص مرحلے
سے آ پہنچا تھا۔ ان کی شعلہ نوائی نے اس انقلاب میں کئی گنا زیادہ شدت اور تیزی پیدا کر دی۔

علامہ اقبال کی فکری تحریک کو سید جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کی تحریکِ اتحاد
سے الگ کرنا ممکن نہیں۔ چونکہ یہ تینوں حضرات ایک ہی سرچشمۂ ہدایت سے فیض یاب
اس لیے ان کے افکار میں بڑی حد تک ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ علامہ اقبال کو بھی اس
کا احساس تھا اور انھوں نے اپنے جلیل القدر پیش رووں کی خدمات کو تہ دل سے خراجِ
بت پیش کیا ہے۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علامہ اقبال کی دعوت وہی تھی جو
انی اور پاشا کی دعوت تھی۔ پیغام ایک تھا، اگر فرق تھا تو صرف پیغام رسانی کے اسلوب
، لب و لہجے اور تاثیرِ کلام میں یا اتحادِ عالمِ اسلامی کی منزل تک پہنچنے کے لیے حالاتِ
کی رعایت سے مناسب لائحہ عمل اختیار کرنے میں تھا۔ علامہ اقبال کے دل میں سید
ل الدین افغانی کی شخصیت کی عقیدت کس درجہ تھی۔ اس کا اظہار ایک مقام پر خود
یوں فرماتے ہیں:

"مولانا سید جمال الدین افغانی کی شخصیت کچھ اور ہی تھی۔ قدرت کے طریقے بھی
عجیب ہوتے ہیں، مذہبی فکر و عمل کے لحاظ سے ہمارے زمانے کا سب سے ترقی یافتہ
ان افغانستان میں پیدا ہوتا ہے۔ جمال الدین افغانی دنیائے اسلام کی تمام زبانوں سے
تھے۔ ان کی فصاحت و بلاغت میں سحر آفرینی ودیعت تھی۔ ان کی بے چین روح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک اسلامی ملک سے دوسرے اسلامی ملک کا سفر کرتی رہی اور اس نے ایران، مصر اور ترکی کے ممتاز ترین افراد کو متاثر کیا۔"[54]

پھر کہتے ہیں :

"ان کی روح اب بھی دنیائے اسلام میں سرگرم عمل ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کی انتہا کہاں ہوگی۔"[55]

اسی طرح علامہ اقبال سعید حلیم پاشا کے بارے میں واضح کرتے ہیں کہ وہ تحریکِ وطن پرستی کے برخلاف دین و دنیا کی دوئی کے قائل نہ تھے اور ان کے خیال میں اسلام حقیقت میں ماده و روح دونوں کے حسنِ امتزاج کا دوسرا نام ہے۔

"اس (اسلام) نے حریت، مساوات اور استحکام انسانیت کی ابدی اقدار کو ایک وحدت میں سمو دیا ہے لہٰذا اس کا کوئی وطن نہیں۔ جیسے نہ تو کوئی انگریزی ریاضی ہے نہ فرانسیسی کیمیا۔ وزیر اعظم ترکی کے نزدیک نہ تو کسی ترکی اسلام کا وجود ہے نہ ایرانی اور ہندی اسلام کا۔"[56]

اقبال کو سعید حلیم پاشا کے اس خیال سے بھی اتفاق ہے کہ تہذیب جدید انسانی تاریخ کے دورِ وحشت ہی کی ایک شکل ہے :

"تہذیب جدید جس کی بناء وطنی انانیت (National Egoism) پر ہے انسان کے دور وحشت اور بربریت ہی کی ایک شکل تصور کرنا چاہیے۔"[57]

اقبال کے خیال میں پاشائے موصوف نے عالم اسلام کے امراض کا حل اسلام کو قبولیت سے نجات دلا کر اس کی عالم گیریت پر زور دینے میں مضمر قرار دیا تھا کیونکہ سعید حلیم پاشا کو "اسلام کے اخلاقی اور اجتماعی مقاصد بھی بعض ایسے توہمات کے زیر اثر جو امم اسلامیہ کے اندر زمانہ قبل اسلام سے کام کر رہے تھے، غیر اسلامی شکل اختیار کرتے چلے گئے۔ ان کے

---

[54] حرفِ اقبال، ص ۱۲۹ [55] ایضاً، ص ۱۲۹

[56] تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ترجمہ سید نذیر نیازی، ص ۲۴۰، ۲۴۱ [57] ایضاً،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی تو اسلامی بہت کم ہیں عجمی، عربی یا ترکی زیادہ - توحید کا صاف ستھرا اور پاکیزہ چہرہ کفر و شرک کے غبار سے محفوظ نہ رہ سکا، نہ قید مقامی کی روز افزوں پابندیوں نے اسلام کے اخلاقی مقاصد کی غیر شخصی (انسانی) اور عالم گیر نوعیت کو قائم اور برقرار رہنے دیا[۵۸]"

علامہ اقبال ان عظیم رہنماؤں کو اپنی مشہور سیرِ آسمانی موسوم بہ "جاوید نامہ" میں بھی نہیں بھولے - جب آپ آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے فلکِ عطارد میں پہنچے تو وہاں دونوں بزرگوں کی پاکیزہ روحوں سے ملاقات ہوئی تو مولانا روم نے اقبال سے ان کا تعارف یوں کرایا:

گفت "مشرق زیں دو کس بہتر نزاد | ناخنِ شاں عقدہ ہائے ما کشاد
سید السادات مولانا جمال | زندہ از گفتارِ او سنگ و سفال
ترک سالار آں حلیمِ دردمند | فکرِ او مثلِ مقامِ او بلند

اقبال کا کارنامہ

عہدِ اقبال میں عالمِ اسلام ایک عجیب صورتِ حال میں گرفتار تھا - ایک طرف مغرب کی استعماری قوتیں اس کی سرحدوں کو پامال کر رہی تھیں، اس کو ذہنی اور فکری شکست خوردگی کے عذاب میں مبتلا کر رہی تھیں اور دوسری طرف اپنے مخصوص مفادات کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کو باہم لڑانے میں مصروف تھیں - اور اس مقصد کے لیے مغرب کے مخصوص تصورِ قومیت و وطنیت کو پروان چڑھانے کے لیے مناسب ماحول پیدا کرنے میں مشغول تھیں۔ ان حالات میں مسلمان حکمران اور عوام، دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے تھے - ایک طرف یونان، ترکی علاقوں کو تاخت و تاراج کرنے میں مشغول تھا اور دوسری طرف عرب پارہ پارہ ہو رہے تھے - تیسری طرف خلافتِ عثمانیہ کا چراغ مخالفتوں کی تند و تیز ہواؤں میں ٹمٹما رہا تھا اور چوتھی طرف ہند کے مسلمان انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت کے نتیجے میں تاریخ کے انتہائی نازک دَور سے گزر رہے تھے - ایسے عالم میں اقبال نے مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بازیافت کے لیے خودی کے عرفان اور نشو و نما کا سبق دیا اور قومی تشخص کے نقوش کو

---

۵۸ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ترجمہ سید نذیر نیازی، ص ۲۴۱، ۲۴۲-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابھارا۔ مغربی تصورِ قومیت و وطنیت کی تباہ کاریوں کو آشکار کیا۔ اس طرح اقبال نے مسلما
کے مردہ جسموں میں نئی روح پھونک دی۔ آپ نے واضح کیا :

"میں دیکھ رہا ہوں کہ قومیت کا عقیدہ جس کی بنیاد نسل یا جغرافیائی حدودِ ملک پر
دنیائے اسلام میں استیلا حاصل کر رہا ہے اور مسلمان عالم گیر اخوت کے نصب العین کو نظرانداز
کر کے اس عقیدے کے فریب میں مبتلا ہو رہے ہیں جو قومیت کو ملک و وطن کی حدود میں
مقید رکھنے کی تعلیم دیتا ہے" ۵۹

اس نظریے کی پیروی کا نتیجہ نہ صرف مسلمانوں کے انتشار اور ضعف و زوال کی صورت
میں برآمد ہو رہا ہے بلکہ اسی کی بنا پر براعظم ایشیا و افریقہ یا پورا مشرق تشتت و افتراق کی
قوتوں کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ مغرب کی ہوس پرستانہ یلغار سے مشرق کو بچانے کی
واحد صورت یہ ہے کہ مشرق اسلام کے نصب العین سے اپنے ضمیر کو ہم آہنگ کرے
اسلام کے عالم گیر برادری کے تصور کو اپنائے۔ اس کے لیے صحیح لائحہ عمل یہ ہو گا کہ مسلما
رنگ و نسل کے اختلافات سے نجات حاصل کریں۔ اصولِ حیات کی وحدت پر زور دیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی قرآن بھی ایک
حرمِ پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

اقبال کو اس بات پر شدید دکھ محسوس ہوتا ہے جب مسلمان اسلام کے عالم گیر نظامِ اخوت
کو فراموش کر کے ذات اور قبیلہ کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔ اور وہ ان کو آگاہ کرتے ہیں کہ :

جو کرے گا امتیازِ رنگ و خون مٹ جائے گا ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر

ان کے شعور و بصیرت پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح تھی کہ ملتِ اسلامیہ اپنے مقصد
میں باہمی اتحاد و یگانگت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی ہے اور اس اتحاد کی بنیاد صرف دینِ
اسلام میں مضمر ہے۔ دین کو پسِ پشت ڈالنے کے بعد مسلمان اپنی تنظیم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں
اور بقا و استحکام سے بھی۔ ایک مقام پر بڑی خوبصورتی سے اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہیں

---

۵۹ اقبال نامہ، حصہ اول، ص ۴۶۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

لہٰذا بحیثیتِ مجموعی ملتِ اسلامیہ کی حفاظت اور اپنے اجتماعی نصب العین کی طرف پیش قدمی باہمی اتحاد و تعاون کے بغیر محال ہے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس نصب العین کے حصول کے لیے صف بستہ اور کمر بستہ ہوں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

عالمِ اسلام کا یہ اتحاد مسلم ممالک کے علاوہ تمام ایشیائی ممالک کے حق میں بھی نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوگا - بلکہ اقبال بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ ایشیا کو مغرب کی دست برد سے بچانے کی کوشش کریں:

یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے

ایشیا اگر اس نکتہ سے باخبر ہو گیا کہ صرف اسلام کا تصورِ حیات اور نظریۂ ملت ہی باعثِ نجات ہے تو پھر وہ مغربی استعمار کا نشانۂ ظلم و ستم نہیں بن سکتا:

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا کا مفہوم کیا ہے؟ یہی کہ مسلمان مادی امتیازات سے بالاتر ہونے کی کوشش کریں اور اسلام کے ہمہ گیر اور ابدی اصولوں کو رہنما بنائیں:

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی نہ افغانی نہ تورانی

اسی طرح ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

عرب ممالک کا اتحاد

علامہ اقبال کے نزدیک اتحادِ عالمِ اسلامی کے لیے صحیح لائحہ عمل یہ ہوگا کہ سب سے پہلے وہ عرب جنھیں حضورؐ کی رہنمائی میں اسلام کا علم بلند کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا، از سرِ نو خودی کی معرفت اور اس کی ترقی کے ساتھ وحدت و اخوت کے رشتہ میں منسلک ہوں - ۱۹۳۱ء میں جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ب گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے انگلستان روانہ ہوئے تو " بمبئی کرانیکل" کے نمائندہ نے
پ سے ایک مفصل انٹرویو لیا - ایک سوال کے جواب میں علامہ اقبال نے عرب وفاق کے
سلہ میں اپنے خیالات کا یوں اظہار فرمایا:

" اگر مسلم ممالک اسلامی مقاصد کے ساتھ سچے دل سے منسلک رہیں تو وہ انسانیت کی
لیم خدمت سرانجام دیں گے - میرے خیال میں اسلام آج دنیا کا واحد مثبت نظامِ حیات
ہے بشرطیکہ مسلمان اپنے عمل سے ایسا ثابت کر دکھائیں اور نئے تصورات کی روشنی میں اسلامی
لیمات کا جائزہ لیں [10] "

عرب وفاق کے قیام کا امکان اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اس خطۂ ارض کے لوگ دینِ اسلام
کے پیروکار ہونے کے علاوہ ارضی، نسلی اور لسانی اتحاد کے عوامل سے بھی بہرہ ور ہیں - اسی انٹرویو
میں آپ نے فرمایا:

" مجھے عربی زبان پر بھی گہرا بھروسہ ہے جو میرے خیال میں واحد مشرقی زبان ہے جو ایک
زندہ زبان کی حیثیت سے اپنے سامنے شاندار مستقبل رکھتی ہے - دینِ اسلام کے بعد یہ
دوسرا معاہدہ ہے جو عرب اقوام کے اتحاد کا ضامن ہے " [11]

اگرچہ اقبال نسلی، لسانی اور وطنی بنیادوں کو کلیتہً نظرانداز نہیں کرتے بلکہ ایک حقیقت پسند
مفکر کی طرح انھیں جائز مقام دینے کے قائل ہیں، لیکن وہ ایسے اتحاد کے قائل نہیں جس میں
دین کو شامل نہ کیا جائے - بلکہ ان کے خیال میں اصل بنائے اتحاد تو دین ہی ہے، باقی تمام
عوامل ضمنی، ذیلی اور عارضی نوعیت کے ہیں -

اسی انٹرویو میں اگرچہ آپ نے عرب وفاق کے سلسلہ میں کسی پیش گوئی سے معذوری ظاہر کی
تاہم یہ کہے بغیر نہ رہ سکے:

" اگرچہ اس راستے میں بے شمار مشکلات ہیں تاہم میں عرب ممالک کے وفاق کی اہمیت کا قائل ہوں " [12]

---

[10] Letters and writings of Iqbal, P. 60

[11] ایضاً، ص ۶۰

[12] ایضاً، ص ۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ئے خلافت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اقبال اتحادِ عالمِ اسلامی کے لیے خلافت کی طرز کے ادارے کے
.لی بجائے یا تمام مسلم ممالک اور علاقوں کو ایک وحدت کی صورت میں منظم کرنے کے نظریہ
بجائے وفاق قائم کرنے کی تجویز کے حامی کیوں تھے۔ دراصل اقبال اس مسئلہ پر خیالوں
.نیا میں بسنے والے آدمی کی بجائے ایک عملی سیاست دان کی حیثیت سے غور کرتے ہیں۔
مسلم ممالک کی متحدہ سلطنیت بے شک ایک مثالی اور خوش آئند خیال ہے۔ لیکن موجودہ
ہوئے حالات میں اس کا قیام محالات میں سے ہے۔ تو پھر کیا یہ صورتِ حال جاری رہنی
یے اور ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا رہیں؟ نہیں! اب نہ تو اس صورتِ حال کو
عالہ برقرار رکھنا صحت مندسوچ کی علامت ہے اور نہ فوری طور پر ایک عاجلانہ اور
باتی فیصلے کے ذریعے ان ملکوں کو متحدہ مملکت بنانے کی کوشش حکمت و دانائی پر مبنی
ں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مسلمان ممالک اپنی حدود میں اتفاق و اتحاد کے رجحانات
تقویت کا سامان بہم پہنچائیں اور پھر زیادہ سے زیادہ معاملات میں مشترکہ حکمتِ عملی اختیار
نے کی کوشش کریں۔ صرف اسی صورت میں وہ اپنی زندگی کو استعماری قوتوں کی دست برد
بچا سکیں گے اور یہی وحدت ان ملکوں کی انفرادی حیثیت کی حفاظت کی ضامن بھی ہوگی
اجتماعی قوت کا سرچشمہ بھی۔ لہٰذا اقبال کہتے ہیں:

"یہی وحدت دنیائے اسلام میں یکساں روحانی فضا پیدا کرنے کی ضامن ہے۔ یہی وحدت
سلامی ریاستوں میں سیاسی اتحاد پیدا کرتی ہے خواہ یہ اتحاد عالمگیر مملکت کی صورت اختیار
ہلے یا اسلامی ریاستوں کی جمعیت کی ایک صورت یا متعدد آزاد ریاستوں کی صورت جن کے
معاہدات و میثاقات خالص معاشی و سیاسی مصلحتوں پر مبنی ہوں گے۔"[۱۵]

مسلم دولتِ مشترکہ

علامہ اقبال اپنے خطبات میں صاف طور پر فرماتے ہیں کہ اس مرحلے پر عالمگیر مملکت کا

---

[۱۵] حرفِ اقبال، ص: ۱۵۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیام بہت مشکل ہے۔ ابتدائی دَور میں دولتِ مشترکہ کی طرز کا اتحاد قائم کرنا مناسب رہے
آپ فرماتے ہیں:

"عالمِ اسلام کا حقیقی اور مؤثر اتحاد ایسا اتحاد نہیں کہ محض ایک خلیفہ کے نمائشی تقرر
وجود میں آ جائے۔ اس کا ظہور مسلمان ممالک کی آزاد اور خود مختار وحدتوں کی ایک ایسی
کثرت ہی کے ذریعے ہوگا جس کی نسلی رقابتوں کو ایک مشترک روحانی نصب العین نے توا
و تطابق سے بدل دیا ہو۔ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ شاید ہم مسلما
کو بتدریج یہ سمجھا رہی ہے کہ اسلام نہ تو وطنیت کا حامی ہے اور نہ شہنشاہیت کا بلکہ ایک
دولتِ مشترکہ ہے جس نے ہمارے خود پیدا کردہ حدود اور نسلی امتیازات کو تسلیم کیا
مگر صرف سہولتِ تعارف کی خاطر نہ اس لیے کہ اس کے ارکان اپنا اجتماعی اور آفاقی مطمح
محدود کر لیں۔"[۱۴]

اقبال کے خیال میں ابھی وہ دَور نہیں آیا کہ مسلمانوں کی دولتِ مشترکہ کا قیام عمل میں لایا
ابھی تو کاروانِ اسلامیاں اس عظیم منزل کی طرف ابتدائی قدم ہی اٹھا سکا ہے۔ فی الحال ہر
ملک کو خود اپنے استحکام پر توجہ دینی چاہیے:

"بحالتِ موجودہ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ امم اسلامیہ میں ہر ایک کو اپنی ذات میں
جانا چاہیے۔ انھیں چاہیے کہ اپنی ساری توجہ اپنے آپ پر مرتکز کریں تاکہ ان سب میں اتن
پیدا ہو جائے کہ باہم مل کر اسلامی جمہوریتوں کی ایک برادری کی شکل اختیار کر لیں۔"[۱۵]

استعماری سازشیں

مغربی استعمار اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ اتحادِ اسلامی اس کے راستے
سے بڑی رکاوٹ ہے، اس لیے اس نے ہر ممکن طریقے سے اس اتحاد میں رخنہ اندازی
اس نے عالمِ اسلام کی قوت و مرکزیت ختم کرنے کے لیے عرب اور ترکی میں منافرت پیدا
دوسری طرف خود عرب کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کامیاب کوشش کی تاکہ اہلِ عرب کبھی آپس

۱۴۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۴۶ — ۱۵۔ ایضاً، ص ۲۴۵، ۲۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو سکیں۔ عرب قوت کو کمزور کرنے کے لیے اس نے فلسطین میں عرب آبادی کی مسلمہ [اکثریت] کو مصنوعی اقلیت میں تبدیل کرنے اور وہاں یہودیوں کو غیر اخلاقی اور غیر قانونی طور [پر آباد] کرنے کی سازش کی اور بالآخر ایسے حالات پیدا کر دیے کہ جن میں عربوں کے پاس احتجاج [کے سوا] کچھ باقی نہ رہا۔ انگریزوں کی اس یہود نواز اور مسلم دشمن پالیسی سے برصغیر کے مسلمانوں [کو شدید] صدمہ ہوا۔ اپنے مظلوم عرب بھائیوں کے حق کے لیے اہلِ ہند نے بھی آواز اٹھائی۔

[علامہ] اقبال نے ایک دردمند مسلمان کی طرح اس حادثۂ فاجعہ کا گہرا اثر لیا۔ آپ نے فرمایا:

[ہے] خاکِ فلسطین پہ یہودی کا اگر حق — ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا
[م]قصد ہے ملوکیتِ انگلشیں کا کچھ اور — قصہ نہیں نارنج کا یا شہد و رطب کا

لیکن ساتھ ہی مسلمانوں کی اصل خامی کی وضاحت بھی ضروری خیال کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

[ج]لتا ہے مگر شام و فلسطین پہ مرا دل — تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدۂ دشوار
[ت]رکانِ "جفا پیشہ" کے پنجہ سے نکل کر — بے چارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار

[ن]ئی جمعیتِ اقوام

اسی طرح آپ نے ایک زوردار بیان میں برطانوی حکمتِ عملی کی شدید مذمت کی اور یہ دلیل [د]ی کہ سامراجی سازشوں کا ہمیشہ کے لیے سدباب صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمان [متحد] ہوں اور ان کی جمعیتِ اقوام بالکل الگ ہو۔

"موجودہ زمانہ ایشیا کی غیر عربی سلطنتوں (ایران و ترکی) کے لیے بھی ایک ابتلا و آزمائش کا [وقت] ہے، کیونکہ تنسیخِ خلافت کے بعد مذہبی اور سیاسی ہر دو نوعیت کا یہ پہلا بین الاقوامی مسئلہ [ہے] جو تاریخی قوتیں ان کے سامنے لا رہی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مسئلۂ فلسطین مسلمانوں کو بالآخر [اس م]تحدہ انگریزی فرانسیسی ادارے، جس کو رسمی طور پر جمعیتِ اقوام کہا جاتا ہے، کے متعلق [از سر نو] سوچنے اور ایک ایشیائی جمعیتِ اقوام کے قیام کے لیے عملی ذرائع تلاش کرنے پر مجبور کرے۔"[۱۶]

اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعیتِ اقوام پر برطانیہ غالب ہے اور برطانیہ یہودی بینکاروں

---

[۱۶] حرفِ اقبال، ص ۲۲۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے زیرِ اثر ہے، اس لیے اس سے کسی قسم کے منصفانہ فیصلہ کی توقع عبث ہے:

تری دوا نہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں — فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے

جمعیتِ اقوام بظاہر تو امنِ عالم اور عدل و انصاف کی مدعی تھی لیکن درحقیقت اس کی نظر میں سب سے زیادہ اہم کام یہ تھا کہ مغربی اقوام کی خواہشِ توسیع کی تکمیل کی جائے۔ گویا آ کا مقصدِ وجود ختم ہوگیا تھا اور اقبال نے جمعیتِ اقوام کے انصاف کے دہرے معیار کی مذمت کرتے ہوئے دنیا کو اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا، جن پر عمل کر کے دنیا میں اخوت و مساوا کی فضا پیدا کی جا سکتی ہے:

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام — پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم
تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود — اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم
مکے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام — جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم

اقبال نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ جمعیتِ اقوام کی جگہ پر اگر جمعیتِ اقوامِ مشرق قائم اور اس کا مرکز جنیوا کی بجائے طہران قرار دیا جائے تو مغربی اقوام کے نوآبادیاتی عزائم کا حد تک استیصال ہو سکتا ہے اور اہلِ مشرق ترقی و عروج کی شاہراہ پر گامزن ہو سکتے ہیں

طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا — شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

اتحادِ مشرق

اقوامِ مشرق کے اتحاد کے لیے جہاں مذہبی اور روحانی بنیادیں کارفرما ہیں وہاں ماد سے بھی ان کے باہمی اتحاد کے امکانات از حد روشن ہیں۔ آبادی، رقبہ، معاشی وسائل کے سے مسلمان ایک زبردست قوت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سرمایہ، قدرتی وسائل، خام پید فنی مہارت اور افرادی قوت کو اگر منظم کر لیا جائے، تیل اور دیگر معدنی، فلزاتی، ادو کیمیائی عناصر کو بروئے کار لایا جائے اور مسلمان ممالک کے درمیان بری اور بحری رابطوں کو دے کر دفاعی اور تجارتی لحاظ سے منصوبہ بندی کی جائے تو مسلمان دنیا کی ایک تیسری ط ہی نہیں بلکہ سب سے بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔ [illegible] اس طرح سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی کے سامراجی اور استحصالی ہتھکنڈوں سے عالمِ انسانیت کو نجات دلا کر عالمی امن، انصاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ترقی کا سامان مہیا کر سکتے ہیں۔

پان اسلامزم

مسلم معاشرے کی بیداری اور در پیش مسائل کے حل کے لیے عالم اسلام کے اتحاد کی تحریک مغربی طاقتوں کے لیے ایک زبردست چیلنج تھی۔ چنانچہ اس کو ناکام بنانے کے لیے انھوں نے جہاں فوجی اور سیاسی اقدامات کیے وہاں نشر و اشاعت کے ذریعے بھی اس تحریک کو ختم کرنے کی ناروا کوششیں کیں۔ مستشرقین اور مغربی پریس نے یہ شور مچایا کہ عالم اسلام کا اتحاد مذہبی جنون کی پیداوار ہے۔ اور دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مسلم اتحاد کی تحریک کا مقصد دراصل یورپ یا مغربی دنیا کو تباہ کرنا ہے۔ اس طرح اتحادِ عالم اسلامی یا "پان اسلامزم" (Pan-Islamism) کو ایک ہوّا بنا کر پیش کیا گیا۔ علامہ اقبال چونکہ اہلِ مغرب کے پروپیگنڈے کے پس منظر سے واقف تھے، اس لیے آپ نے "پان اسلامزم" کی اصطلاح سے گریز کیا۔ لیکن اپنے مقصد سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوئے۔ کیونکہ آپ دیکھ رہے تھے کہ جو لوگ مذہب کی بنیاد پر عالم اسلام کے اتحاد کی مخالفت کرتے ہیں وہی مذہبی تعصب کی بنا پر ہر جگہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے میں مصروف ہیں۔ اگر اسلام کے دشمن مل کر مسلمانوں کو تختۂ مشق بنا رہے ہیں تو مسلمان کیوں اپنے تحفظ کے لیے متحد نہیں ہو سکتے۔ ترکی و یونان کی جنگ ہو یا عرب و یہود کا قضیہ، اہلِ مغرب کی تائید و حمایت عملاً اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ پھر وہ لوگ جو مذہبی تعصب کی بنیاد پر ظلم کا شکار ہیں وہ بھی مذہبی تعصب کی بنیاد پر اپنے آپ کو ظلم سے بچانے کے لیے کیوں متحد نہ ہو جائیں؟ بقول شخصے! ظالموں کا ظلم پر متحد ہونا معیوب ہے یا مظلوموں کا ظلم سے بچاؤ کے لیے متحد ہونا۔"

برِّصغیر میں اُبھرتی ہوئی مسلم تحریکِ آزادی کو کچلنے کے لیے جب مخالف قوتوں کی طرف سے یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ مسلمانانِ برِّصغیر آزادی حاصل کر کے "پان اسلامزم" کی تحریک کو پروان چڑھانا اور اپنے مخالفوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں تو مسلمانوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۳۳ء میں سر فضل حسین نے کونسل آف اسٹیٹ میں یہ کہہ دیا کہ پان اسلامزم کا کبھی وجود نہ تھا" علامہ اقبال نے ۱۹ ستمبر ۱۹۳۳ء کو اس بیان کی وضاحت میں فرمایا کہ اس قسم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتحاد کا وجود ایک مفروضہ سے زیادہ نہیں جو اکثر و بیشتر پان اسلامزم کی اصطلاح بنانے والوں کے ذہن میں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مسلمان اس قسم کے پروپیگنڈے سے بددل ہو کر وہ کوششیں ترک کر دیں جو وہ اپنے آپ کو ایک جداگانہ قوم کی حیثیت سے متعارف کرنے کے لیے کر رہے ہیں۔ نیز اس اصطلاح کی آڑ میں برصغیر کے مسلمانوں کی حق تلفی برطانوی سیاست کے حق میں بے انتہا مضر ثابت ہوگی کیونکہ ہندوستانی مسلمان آبادی کے لحاظ سے عالمِ اسلام میں خاص اہمیت کے مالک ہیں اور وہ اسلام کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔ لہٰذا یہ ان کا فرض ہی نہیں حق بھی ہے کہ وہ اپنے بکھرے ہوئے شیرازہ کو اکٹھا کریں اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی مخالفت کو خاطر میں نہ لائیں۔"[17]

۲۰ ستمبر ۱۹۳۳ء کو اقبال نے "پان اسلامزم" کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

"پین اسلامزم" کا لفظ فرانسیسی صحافت کی ایجاد ہے اور یہ لفظ ایک ایسی مفروضہ سازش کے لیے استعمال کیا گیا تھا جو اس کے وضع کرنے والوں کے خیال کے مطابق اسلامی ممالک غیر اسلامی اقوام خاص کر یورپ کے خلاف کر رہے تھے۔"[18]

اس کا مقصد کیا تھا؟ علامہ فرماتے ہیں:

"پین اسلامزم" کا ہوّا پیدا کرنے والوں کا منشا صرف یہ تھا کہ اس کی آڑ میں یورپ کی چیرہ دستیاں جو اسلامی ممالک میں کی جا رہی تھیں وہ جائز قرار دی جا سکیں۔"[19]

حالانکہ اسلامی اتحاد کی غرض و غایت کچھ اور ہے:

"پین اسلامزم" سے اسلام کی عالمگیر سلطنت بہت مختلف ہے۔ اسلام ایک عالمگیر سلطنت کا یقیناً منتظر ہے جو نسلی امتیازات سے بالاتر ہوگی اور جس میں شخصی اور مطلق العنان بادشاہوں اور سرمایہ داریوں کی گنجائش نہ ہوگی۔ دنیا کا تجربہ خود ایسی سلطنت پیدا کر دے گا۔ غیروں کی نظر میں شاید یہ محض خواب ہو لیکن مسلمانوں کا یہ ایمان ہے۔"[20]

---

[17] حرفِ اقبال، ص ۲۰۸ - ۲۰۹

[18] گفتارِ اقبال، ص ۱۷۸ — [19] ایضاً — [20] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے ساتھ ہی علامہ اقبال نے یہ واضح کرنا بھی ضروری سمجھا کہ "پین اسلامزم" کی اصطلاح استعمال کر کے مسلمانوں کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ مسلمانوں کے عالم گیر اتحاد کی مثبت تحریک کا راستہ ہرگز نہ روک سکے گا:

"ایک مقامی ہندو اخبار نے ہندوستان کے مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی خواہش کا نام "پین اسلامزم" رکھا ہے۔ یہ ایک اصطلاح کا غلط استعمال ہے لیکن مسلمانوں کو اس بات کا اعلان کر دینے میں ہرگز پس و پیش نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو منجملہ دیگر ہندوستانی اقوام کے ایک علیحدہ قوم خیال کرتے ہیں اور ایسا رہنے کے خواہش مند ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک علیحدہ معاشرتی جماعت کی حیثیت سے قائم رکھنا چاہتے ہیں اور ایک علیحدہ اقلیت کی حیثیت سے اپنے حقوق کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں جو مسلمان، قوم پرست کہلاتے تھے انھوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مسلمانوں کو اپنی علیحدہ تمدنی حیثیت چھوڑ دینی چاہیے اور اپنی قسمت کو ایسی طاقتوں کے رحم پر چھوڑ دینا چاہیے جو ان کی علیحدہ ہستی کو مٹا دیں۔ اگر کوئی مسلمان سیاسی لیڈر اس کے برعکس خیال کرتا ہے تو اس نے اپنی قوم کے جذبات کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔"[۲۱]

جب علامہ اقبال دوسری گول میز کانفرنس (۷ ستمبر تا ۱ دسمبر ۱۹۳۱ء) میں شرکت کے لیے عازم انگلستان ہوتے تو بمبئی کرانیکل کے نمائندے نے جو انٹرویو لیا اس میں بھی اقبال نے "پان اسلام ازم" کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"جہاں تک مجھے علم ہے یہ ایک فرانسیسی صحافی کی گھڑی ہوئی اصطلاح ہے اس کے مفہوم کا وجود اس کے اپنے ذہن کے سوا کہیں نہیں۔ میرے خیال میں فرانسیسی صحافی نے یہ اصطلاح اس مفروضہ خطرے سے خبردار کرنے کے لیے وضع کی تھی جو اس کے خیال میں عالم اسلام میں (یورپ کے خلاف) پیدا ہو رہا تھا۔ اور پھر یہ اصطلاح زرد خطرے (Yellow Peril) کی اصطلاح کے بعد بنائی گئی تاکہ مسلم ممالک میں یورپی جارحیت کو حق بجانب ثابت کیا جا سکے۔"[۲۲]

---

۲۱ گفتار اقبال، ص ۱۷۸، ۱۷۹

۲۲ Letters and writings of Iqbal, PP, 55-56.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اصطلاح کے دوسرے مفہوم کی طرف اقبال یوں اشارہ فرماتے ہیں :

" بعد ازاں میرے خیال کے مطابق، پان اسلام ازم سے مراد ایک قسم کی سازش لی گئی جس کا مرکز قسطنطنیہ میں تھا۔ یہ خیال کیا گیا کہ تمام دنیا کے مسلمان یورپی ریاستوں کے خلاف مسلم ریاستوں کا اتحاد بنانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں، حالانکہ کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر براؤن (آنجہانی) نے واضح طور پر اس قسم کے " پان اسلام ازم " کی موجودگی کی تردید کی تھی۔ "۲۳

کہا جاتا ہے کہ جمال الدین افغانی نے بھی یہی اصطلاح استعمال کی تھی۔ اقبال کہتے ہیں:

" مجھے اس کا علم تو نہیں کہ آیا انھوں نے بھی یہی اصطلاح استعمال کی تھی یا تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ انھوں نے افغانستان، ایران اور ترکی کو یورپی جارحیت کے خلاف متحد ہونے کا مشورہ دیا تھا۔ یہ خالصتاً ایک دفاعی اقدام تھا اور ذاتی طور پر میری رائے یہ ہے کہ جمال الدین کا یہ نقطہ نظر بالکل درست تھا۔ "۲۴

اس انٹرویو کے آخر میں اقبال نے اس اصطلاح کی قرآن کی روشنی میں تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

" اس لفظ کو ایک اور مفہوم میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے جو قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ اس صورت میں یہ ایک سیاسی منصوبہ نہیں بلکہ ایک سماجی تجربہ ہے۔ اسلام ذات، رنگ یا نسل کو تسلیم نہیں کرتا۔ درحقیقت اسلام واحد نظریۂ حیات ہے جس نے کم از کم مسلم معاشرے میں رنگ کے مسئلہ کو تقریباً حل کر دیا ہے، جبکہ یورپی تمدن تمام سائنسی و فلسفیانہ کامیابیوں کے باوجود اس کے حل میں ناکام رہا ہے۔ اس طرح کا " پان اسلام ازم " پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نتیجہ ہے اور یہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ ان معنوں میں " پان اسلام ازم " صرف " پان ہیومینزم " اتحاد عالم انسانی قرار پاتا ہے اور اس طرح ہر مسلمان پان اسلامسٹ ہے اور اسے ہونا بھی چاہیے۔ "۲۵

آخر میں وہ تجویز پیش کرتے ہیں:

دراصل پان اسلام ازم سے لفظ " پان " کو ہٹا دینا چاہیے کیونکہ اسلام ازم یا اسلامیت

۲۳۔ Letters and Writings of Iqbal, p. 56. ۲۴۔ ایضاً ۲۵۔ ایضاً

© rasailojaraid.com

ایک ایسی اصطلاح ہے جو اپنے اندر وہ تمام معنی مضمر رکھتی ہے جن کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے۔[۲۶]

حُبِ وطن کی حقیقت

اتحادِ عالمِ اسلامی کے سلسلہ میں ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ اگر مسلمانوں کو عالمگیر اسلامی معاشرے کے قیام کی دعوت دی جائے گی اور اپنی جغرافیائی سرحدوں سے محبت کو اسلام کے منافی قرار دیا جائے گا تو پھر مسلم معاشرے کے علاقائی مراکز کس طرح مستحکم ہو سکیں گے؟ گویا لامحدودیت اور آفاقیت ایک مثالی اور خیالی منزل ہے جبکہ انسان کو عملاً وطن کی محبت کے تقاضے سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تو کیا اسلام کی عالمگیریت پر زور دینے کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ کسی کو اپنے وطن سے محبت نہ ہو گی اور اپنے وطن سے محبت کو اسلام دشمنی کے مترادف خیال کیا جائے گا؟۔

دراصل غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اقبال حبِ وطن کے مخالف ہیں حالانکہ انھوں نے کہیں بھی وطن سے محبت کی اہمیت کا انکار نہیں کیا۔ البتہ ان کے نزدیک درست رویہ ہے کہ زندگی میں اصل اہمیت روحانی نصب العین کو حاصل ہے۔ وطن اس نصب العین تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے، لہٰذا جہاں وطن اور روحانی نصب العین کا ٹکراؤ ہو تو مسلمانوں کو روحانی نصب العین کو ترجیح دینی چاہیے۔ وہ کہتے ہیں:

حُبّ الوطنی بالکل طبعی صفت ہے اور انسان کی اخلاقی زندگی میں اس کے لیے پوری جگہ ہے۔ لیکن اصل اہمیت اس کے ایمان، اس کی تہذیب اور اس کی روایات کو حاصل ہے اور میری نظر میں یہی اقدار اس قابل ہیں کہ انسان ان کے لیے زندہ رہے اور ان ہی کے لیے مرے۔ نہ زمین کے اس ٹکڑے کے لیے جس سے اس کی رُوح کو کچھ عارضی سا ربط پیدا ہو گیا ہے۔[۲۷]

اس طرح اگر ہم اپنے وطن کو اسلام کا گہوارہ بنا لیں، اسے اسلامی اصولوں کا مظہر ثابت کر دیں تو پھر وطن کی محبت عین اسلام ہو جاتی ہے۔ بقول ڈاکٹر سید محمد عبداللہ:

---

۲۶ Letters and writings of Iqbal, pp. 56-57.

۲۷ ... ۸۲

© rasailojaraid.com

وہ (اقبال) یہ چاہتے ہیں کہ وطن اور روحانی عقیدے کو ایک ایسا مربوط اور یک جز تحلیل بنا دیا جائے کہ وطن بذاتِ خود کوئی شے نہ رہے۔ لیکن بایں ہمہ روحانی عقیدے کی حفاظت کی ضامن بن جائے ___ اگر حجاز اور عرب کی حفاظت ایک لحاظ سے اسلام اور دین کی حفاظت کے مترادف ہے تو یہی قانون دوسرے علاقوں پر کیوں منطبق نہیں ہو سکتا؟[28]"

اتحادِ عالمِ اسلامی کیوں؟

اتحادِ عالمِ اسلامی کے تصور کے سلسلے میں یہ بحث بھی سامنے آتی ہے کہ اقبال ایک طرف تو عالمگیر معاشرے کے قیام کے آرزو مند ہیں اور دوسری طرف ان کی کوششیں صرف مسلمانوں کے اتحاد تک محدود ہیں۔ گویا نظریاتی طور پر ان کا پیغام عالمگیر ہے لیکن انطباقی اعتبار سے مخصوص و محدود۔ یہ اعتراض خود اقبال کی زندگی میں ان پر کیا گیا تھا۔ اور اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے اپنے مشہور مکتوب بنام نکلسن میں فرمایا تھا:

"انسانیت کا نصب العین شعر اور فلسفہ میں عالمگیر حیثیت سے پیش کیا گیا ہے لیکن اگر اسے مؤثر نصب العین بنانا اور عملی زندگی میں بروئے کار لانا چاہیں تو آپ شاعروں اور فلسفیوں کو اپنا مخاطب اولین نہیں ٹھہرائیں گے اور ایک مخصوص سوسائٹی تک اپنا دائرۂ مخاطبت محدود کر دیں گے جو ایک مستقل عقیدہ اور معین راہِ عمل رکھتی ہو، لیکن اپنے عملی نمونے اور ترغیب و تبلیغ سے ہمیشہ اپنا دائرہ وسیع کرتی چلی جاتی ہے۔ میرے نزدیک اس قسم کی سوسائٹی اسلام ہے۔"[29]

گویا ایک حکیم کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی بات سمجھائے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ ایک ایسا معاشرہ منتخب کرتا ہے جو اس کے نصب العین سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور جس میں پیغام کی قبولیت کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے اور حسنِ اتفاق سے یہ معاشرہ وہی تھا جس میں اقبال پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔ اقبال کے نزدیک اس معاشرے کے بنیادی اصول وہی ہیں جو ان کے مثالی معاشرے کے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

"میری فارسی نظموں کا مقصود اسلام کی وکالت نہیں بلکہ میری قوتِ طلب و جستجو تو صرف

[28] ضیائے حرم، لاہور، اپریل ۱۹۷۵

[29] اقبال نامہ، اول، ص ۴۶۷، ۴۶۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

س چیز پر مرکوز رہی ہے کہ ایک جدید معاشرتی نظام تلاش کیا جائے اور عقلاً یہ ناممکن معلوم
ہوتا ہے کہ اس کوشش میں ایک ایسے معاشرتی نظام سے قطع تعلق کر لیا جائے جس کا مقصد
ات پات، رتبہ و درجہ، رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا دینا ہے، اسلام دنیوی معاملات
یں نہایت مُسرف نگاہ بھی ہے اور پھر انسان میں بے نفسی اور دنیوی لذائذ و نعم کے ایثار کا
بذبہ بھی پیدا کرتا ہے اور حسنِ معاملات کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے ہمسایوں کے بارے میں اس قسم
طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ یورپ اس گنجِ گراں مایہ سے محروم ہے اور یہ متاع اسے ہمارے ہی
یضِ صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔[۵۳]"

مطالبۂ پاکستان کی اساس

یہی وہ مقصد تھا جس کے تحت اقبال نے مسلمانانِ برصغیر کے لیے جداگانہ خود مختار مملکت
کا تصور پیش کیا تھا۔ وہ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ عرب ممالک کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ اہم
مسلم خطہ ہندوستان ہے جہاں مسلم آبادی کا تناسب دنیا کے تمام مسلم ممالک سے زیادہ ہے
سی لیے اقبال کہتے ہیں:

خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے روشن

مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ بھی اسی لیے کیا گیا تھا کہ اس طرح اسلام اور مسلمانوں کی
ترقی کے امکانات وسیع ہو سکتے تھے۔

"اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس
کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔[۵۴]"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ الگ مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ اس لیے نہیں تھا کہ اقبال
اس طرح اسلام کو ایک مخصوص خطۂ زمین میں محدود کرنا چاہتے تھے۔ وہ تو اس نظریے کے
علمبردار ہیں کہ مشرق و مغرب بلکہ ساری دنیا خدا کی ہے اس لیے مردِ حق اپنے آپ کو محدود کیسے
کر سکتا ہے:

---

۵۳ اقبال نامہ، اول، ص ۴۰۳ ۵۴ حرفِ اقبال، ص ۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر
مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر

البتہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ اسلام کو عہدِ حاضر میں ایک مؤثر قوت بننے کے لیے جس ماحول کی ضرورت ہے وہ صرف اسی صورت میں وجود میں آسکتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایک الگ خطۂ زمین ہو جہاں وہ کسی دقت کے بغیر اسلامی اصولوں کا نفاذ کر سکیں اور اس طرح نہ صرف خود امن، انصاف، خوش حالی اور ترقی کی منازل طے کریں بلکہ عالمِ اسلام کی تقویت کا باعث بھی بنیں اور دنیا کی دیگر محکوم اور پس ماندہ قوموں کے لیے سرچشمۂ قوت ثابت ہوں۔ گویا پاکستان کا حصول ایک خطۂ زمین کا حصول نہیں تھا بلکہ غلبۂ اسلام کے مرکز کا قیام تھا۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ متعدد حادثوں کے باوجود پاکستان اسی منزل کی طرف گامزن ہے۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے امکانات قیامِ پاکستان کے بعد روز افزوں ہو گئے ہیں اور یہ پاکستان ہی ہے جس نے عالمِ اسلام کے متعدد ممالک کو غلامی سے نجات دلانے اور اسلامی دنیا کو متحد کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

حکمتِ رومی

از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

جلال الدین رومی کے افکار و نظریات ایسے دائمی حقائق پر مبنی ہیں جن کی اہمیت اور قدر و قیمت میں گردشِ زمانہ کوئی کمی نہ کر سکی اور ان کی مثنوی سے علامہ اقبال بھی ویسے ہی متاثر ہوئے جیسے کہ مولانا جامی۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی یہ تصنیف رومی کے افکار و نظریات کی حکیمانہ تشریح ہے جس میں ماہیتِ نفسِ انسانی، عقل و عشق، وحی و الہام، وحدتِ وجود، احترامِ آدم، صورت و معنی، عالمِ اسباب اور جبر و قدر کے بارے میں رومی کے خیالات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

صفحات ۲۸۵ قیمت ۸/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ۔ لاہور

© rasailojaraid.com